سمجھ سکا نہ کوئی اس کو اہلِ غم کے سوا — بہار آئی تو بے بال و پر یہ کیا گذری
تمہارا نام تو آیا تھا لب پر، اس کے بعد — خبر نہیں کہ دلِ بے خبر یہ کیا گذری
کسی کو ایک نظر دیکھ تو لیا ہم نے — پھر اس کے بعد نہ پوچھو نظر یہ کیا گذری
مذاقِ عام کو کیا خوب و زشت کا احساس — یہ سوچئے کسی اہلِ نظر یہ کیا گذری
ردا ردوی میں کسے ہوش تھا کہ یہ دیکھے — کسی چراغِ سرِ رہ گذر یہ کیا گذری
مری طرح کوئی پامالِ شوق ہو تو کہوں — تری تلاش میں قلب و نظر یہ کیا گذری

نہ پوچھا اتنا بھی اہلِ چمن نے اے شارقؔ
چلی سموم تو گل ہائے تر یہ کیا گذری

غزل

از
(شمس نوید)

اسی کو مرحلۂ وصلِ یار کہتے ہیں — یہ محویت کہ جسے انتظار کہتے ہیں
حسین گلوں میں جو پیوست خار کہتے ہیں — بہار خود ہے شہیدِ بہار کہتے ہیں
تمہارے غم کو غمِ روزگار کہتے ہیں — کبھی فریب کبھی اعتبار کہتے ہیں
تمہارے ہوتے ہوئے تم سے ہو گیا مایوس — وہ دل جسے دلِ امیدوار کہتے ہیں
کبھی کبھی اسے کہنا پڑا ہے جبرِ حیات — وہ آرزو کہ جسے "اختیار" کہتے ہیں
ملا نہیں تھا اسے اذنِ خود کشی شاید — وہ زندگی جسے فطرت پہ بار کہتے ہیں
غمِ شکست نہیں ہاں یہ تم سے شکوہ ہے — یہ لوگ اس کو محبت کی ہار کہتے ہیں

یہ کامرانیِ دل ہے کہ دل کی ناکامی
ہوتے ہیں آپ بہت اشکبار کہتے ہیں